خبر رسانی کے موجودہ وسائل

اور

رویت ہلال کا مسئلہ

خبر مستفیض کی تعریف اور اسکا حکم :۔

استفاضہ :۔ یہ بات ہمارے تقریباً تمام علماء کے نزدیک مسلّم ہے کہ استفاضۂ خبر موجب حکم ہے مثالاً ـــــ ، مجمع الانہر کی عبارت پیش کی جاتی ہے ۔

الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدۃ اخری وتحقق یلزمھم حکم تلک البلدۃ (مجمع ص ۲۳۹ ج ۱)	صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے اصحاب کا یہی مذہب ہے کہ خبر جب "استفاضہ" کے درجہ میں آجائے تو اس کے ذریعہ دوسرے شہر کے لوگوں پر بھی حکم لازم ہوجائے گا بشرطیکہ اس کی سچائی ثابت ہوجائے ۔

اسی طرح علامہ کشمیریؒ نے (اپنی درسی تقریرِ ترمذی میں) ارشاد فرمایا ہے جس کو انکے ایک لائق شاگرد نے عربی کا جامہ پہنا کر بایں الفاظ پیش کیا ہے ۔

اعلم ان الھلال یثبت بالشھادۃ علی الرؤیۃ او الشھادۃ علی الشھادۃ او الشھادۃ علی القضاء او الافاضۃ ای التواتر (العرف الشذی ص ۲۲۲)	"ہلال" کا ثبوت صرف دیکھنے والے کی گواہی یا شہادت علی الشہادۃ ۔ یا قاضی کے فیصلہ کی گواہی یا اضافہ یعنی کثرتِ اخبار کے ذریعہ ہوتا ہے ۔

مختلف علماء کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ "استفاضۂ خبر" خبر کی اس نوعیت کو

کہتے ہیں جس سے سننے والوں کو یقین کامل یا قریب بہ یقین کیفیت (ظن) حاصل ہو جائے۔ البتہ اس کی صورتوں اور مصداق میں علماء کے کلام مختلف ہیں۔ مثلاً علامہ کشمیریؒ نے استفاضہ کو تواتر کے ہم معنی قرار دیا۔ ان کے علاوہ فلسفی فقیہہ ابن رشدؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں (رویتِ ہلال کی بحث کے دوران)

اذا بلغ الخبر مبلغ التواتر لم یحتج فیہ الی شہادۃ (بدایۃ المجتہد ص ۲۷۹/۱)

اسی استفاضہ کی ایک صورت علامہ رحمتی نے بیان فرمائی ہے جو یہ ہے:۔

ان تاتی من تلک البلد جماعات متعددون کل منہم یخبر عن اہل تلک البلد انہم صاموا عن رویۃ لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہا (رد المحتار ص ۱۰۲/۲)	اس شہر سے (جہاں چاند دیکھا گیا ہے) چند جماعتیں آئیں اور ہر ایک یہ خبر دے کہ اس شہر میں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض افواہ کافی نہ ہوگی جس کے بارے میں یہی پتہ نہ چلے کہ کسی نے اسے پھیلایا۔

دیگر علماء کے اقوال کی طرح رحمتی کی یہ تعریف بھی "استفاضہ" کی ایک تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے اس میں خبر مستفیض کا انحصار نہیں ہے۔ اسی طرح علامہ رحمتی کا یہ فرمانا:۔

" کل منہم یخبر عن اہل تلک البلد انہم صاموا عن رویۃ "

استفاضۂ خبر کی علامہ رحمتی نے جو تعریف کی ہے اس میں انحصار نہیں ہے

بطور قید احترازی کے نہیں ہے بلکہ علامہ کا منشا یہ ہے کہ خبر دینے والے ثبوت رویت کی نوعیت اور اسکی بنیاد کی وضاحت بھی کریں۔ تاکہ "افواہ" اور حقیقی مستفیض خبر" کے درمیان خط فاصل کھینچا جا سکے۔ محض لوگوں کا یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ "فلاں جگہ روزہ رکھا گیا" یا "فلاں جگہ پر چاند ہو گیا"۔ گویا علامہ کا مقصد یہ ہے کہ پوری صورتِ حال واضح کریں تاکہ خبر کے تحمل صحیح اور اس کے تثبت کا یقین ہو جانے پر اسے متحقق قرار دیا جا سکے۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے استفاضہ کی جو تعریف کی ہے (تفصیل آگے آرہی ہے) اس میں

"من بلدۃ الثبوت" کے الفاظ استعمال کئے ہیں (بجائے "صاموعن رویتہ کے)

علاوہ ازیں خود علامہ رحمتی نے بیان کر دیا ہے کہ وہ "عن رؤیۃ" کہہ کر ان الفاظ کے ذریعہ کس صورت حال سے بچنا چاہ رہے ہیں۔ کیوں کہ وہ خود اگلے جملہ میں فرماتے ہیں "لامجرد الشیوع" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "عن رؤیۃ" کی قید بے بنیاد خبروں سے احتراز کے لئے ہے نہ کہ رویت کے علاوہ ہر صورت سے بچنے کے واسطے اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اس کا ایک قرینہ ابن عابدین شامیؒ کی تعریف کا وہ جملہ ہے جس میں موصوف نے "من بلدۃ الثبوت" کہا ہے۔

رہی یہ بات کہ رحمتی کی کیوں یہ تعریفِ حصر استفاضہ کے لئے نہیں ہے (بلکہ یہ اس کی بہت سی تفسیروں میں ایک تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے) سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے علاوہ دیگر جلیل القدر علماء و فقہا نے دوسری تفسیریں بیان کی ہیں چنانچہ مراقی الفلاح کے معتبر و مشہور شارح مفتی ابو السعود طحطاویؒ نے تم او استفاضہ کی تعریف و تشریح بایں طور کی ہے:-

ای کثر الخبر و اشتہر و لم یبین و الہ حد و الظاهر انہ یعتبر فیہ تحدث غالب اہل البلد بہ او نصفہا (الطحطاوی ۱۸۳۹)	یعنی خبر بہت مشہور ہو جائے۔ اس کی (خبر دینے والوں کی) کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ اتنی عام ہو جائے کہ اکثر لوگ شہر میں اس کا چرچا کرنے لگیں۔

شرح مراقی الفلاح منقول از فتاوی مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی

مذکورہ تعریف میں خبر بیان کرنے والے افراد کی تعداد کی حد بندی نہیں کی گئی بلکہ اس کے اثر۔ یعنی شہر میں اس کا عام چرچا ہو جائے۔ کو مدار بنایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ عصر آخر کے محقق علامہ ابن عابدینؒ شامی استفاضہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

اعلم ان المراد بالاستفاضہ تواتر الخبر	جانو! استفاضہ سے مراد ہے وہ خبر جس کو کثرت کے

من الواردین من بلدۃ الثبوتِ الی البلدۃ التی لم تثبت بھا۔ لا مجرد الاستفاضۃ لانھا قد تکون مبنیۃ علی اخبار رجل واحد مثلاً فلیشیع الخبر عنہ و لا شک ان ھذا لا یکفی بدلیل قولھم اذا استفاض الخبر وتحقق فان التحقق لا یکون الابما ذکرنا	ساتھ آنے والے بیان کریں۔ جو اس شہر سے آرہے ہیں کہ جہاں رویت ثابت ہوچکی ہے اور ایسی جگہ کہ جہاں ہنوز رویت ثابت نہیں ہوئی۔ محض افواہ کافی نہیں ہے (بلکہ اس خبر کی بنیاد ہونی چاہیئے) کیوں کہ (افواہ کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ) کبھی وہ ایک شخص کی خبر پر چل پڑتی ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ ایسی خبر (جس کا سر پیر نہ ہو) قطعاً کافی نہیں وجہ وہی ہے کہ فقہاء تحقق کی شرط لگاتے ہیں۔ اور تحقق بغیر اس شرط کے پایا نہیں جاسکتا جو ہم نے
(حاشیہ بحر الرائق جلد ثانی صفحہ ۲۷۰)	ذکر کیا ہے۔

اسی طرح یقینی خبر کی ایک تعریف امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ سے ابن ھمامؒ نے یہ نقل کی ہے:-

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک یقینی خبر؟	والحق ما روی عن محمدؒ وابی یوسفؒ	حق بات وہ ہے جو امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ ہر طرف سے بکثرت خبریں آنے لگیں اسی کا
	ایضاً ان العبرۃ لتواتر الخبر ومجیئہ من کل جانب (فتح القدیر) صفحہ ۲۵۲	اعتبار ہے۔

فقہاء کے مذکورہ اقوال نیز ان کے علاوہ دیگر بیانات (جن میں سے بعض آگے آرہے ہیں) سے "استفاضۂ خبر" کے بارے میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ خبروں کی اس طرح آمد کہ اس سے ظن حاصل ہوجائے اور تردد باقی نہ رہ جائے جس کی تعبیر "تحقق خبر" یا بالفاظ قرآن "تبیّن" کی گئی ہے بس اسی حقیقت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اس حقیقت کے حصول کے لئے مخبرین کی کسی خاص تعداد کا تعین نہیں کیا گیا بلکہ خبر لانے والوں کی شخصیت اور وجاہت کے اختلاف سے وہ تعداد بدلتی رہے گی کہ جس سے اطمینان حاصل ہو۔ اس لئے اس کو قاضی (یا اس کے قائم مقام

مفتی یا ہلال کمیٹی) کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ جیسا کہ امام محمدؒ سے منقول ہے :۔

عن محمد انہ یفوض مقدار القلۃ والکثرۃ الی رأی الامام وھو الصحیح (مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۳۶)

کثرت وقلت کی تعداد کا فیصلہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے یہی صحیح ہے ۔

یہی بات حضرت مولانا عبد الحئی صاحبؒ فرنگی محلی نے بھی اپنی مایۂ ناز کتاب عمدۃ الرعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) میں تحریر فرمائی ہے :۔

استفاضۂ خبر کے لئے کوئی تعداد خاص مقرر نہیں

الجمع الذی یحصل بخبرھم غلبۃ الظن وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر علی دد ھو الصحیح (عمدہ بر شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۳۶)

وہ مجمع جس کی خبر سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے اس کی تعداد امام کی صوابدید پر منحصر ہے ۔

فن اصول حدیث میں بھی خبر مستفیض کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے :

ان المستفیض ما تلقتہ الامۃ بالقبول دون اعتبار عدد (حاشیہ شرح نخبہ ص ۱۲)

(خبر مستفیض وہ ہے کہ جس کو امت نے قبول کر لیا ہو۔ کسی خاص تعداد کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے)

بہر حال عدد کا معاملہ فیصلہ کرنے والے پر موقوف ہے کیوں کہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ سیکڑوں افراد کی بھیڑ بھی اگر بیان دے تب بھی اطمینان نہیں ہوتا جیسا کہ ابن ھمام نے خلفؒ کا قول اہل بلخ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اگر وہ پانچ سو بھی ہوں تو قلیل ہی ہیں (حوالہ آگے آرہا ہے) لیکن اتنا ضرور ہے کہ مخبر ۲ دو سے زائد ہی ہوں کم نہ ہوں اگر دو سے کم ہوں تو وہ خبر کسی طرح بھی خبر مستفیض نہیں ہو سکتی ۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں فرمایا ہے :۔

خبر مستفیض کے ناقل ۲ دو افراد سے زیادہ ہونے چاہئیں ،

ما لہ طرق محصورۃ باکثر من اثنین وھو المشھور عند المحدثین سمی بذلک لوضوحہ وھو المستفیض علی رأی جماعۃ من ائمۃ الفقہاء (شرح نخبہ ص ۱۲)

جس کے محدود طرق ہوں (لیکن) ۲ دو سے زیادہ ۔ اس کو محدثین "مشہور" اور فقہاء کی ایک جماعت "مستفیض" کہتی ہے ۔

خبر مستفیض کی مذکورہ تعریف اور اس کی حقیقت اور (تحقق) کی شرائط معلوم ہو جانے

کے بعد یہ فیصلہ کرنا اب نسبتاً آسان ہو جاتا ہے کہ ریڈیو کی خبروں کو استفاضہ کی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے یا نہیں؛ اگر جواب اثبات میں ہے تو کب اور کتنی خبروں سے یہ حیثیت حاصل ہوگی۔ یہاں یہ بات دوبارہ ذہن میں تازہ کر لینا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ فقہا نے اپنے اپنے زمانہ کی نوایجاد چیزوں کا تجربہ سے اور عوام کے طرزِ عمل سے حکم معلوم کرکے اسے فتویٰ کی شکل میں ظاہر و محفوظ کر دیا۔ مثلاً علامہ شامیؒ نے اپنے دور کی چیز کا حکم "کضرب المدافع فی زماننا..." کہہ کر بیان کیا۔ اس طرح گویا بعد میں آنے والوں کو یہ راہ دکھا دی کہ بعد میں آنے والوں کے زمانہ میں جو ذرائع خبر رسانی کے نئے نئے پیدا ہوں ان کی صداقت کا تجربہ کرکے حکم دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے آج کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کی عام رواج میں آمدہ چیزوں کا حکم (انہی اصول کی روشنی میں) بیان کیا جائے تو یہ بے راہ روی نہیں ہوگی بلکہ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔

اب اتنی بات تو اوپر صاف ہو چکی ہے کہ ریڈیو اسٹیشن جس جگہ ہے اس شہر نیز اس کے مضافات کے باہر اس اعلان کی حیثیت ایک خبر کی ہوگی تنہا جس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا درست نہ ہوگا۔ البتہ کئی جگہ کے ریڈیو اسٹیشن سے یا ایک جگہ کے ریڈیو اسٹیشن سے کئی بار (ایک بار اگر کئی شہروں کی شب نشر کی جائے تو اس کا اعتبار نہیں) رویت کے فیصلہ کا اعلان ہو (مذکورہ شرائط کے مطابق) اور اس اعلان پر جو متعدد مرتبہ یا متعدد جگہ سے نشر ہو چکا ہے اگر قاضی یا ہلال کمیٹی کو پورا اطمینان ہو جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ رہی تعداد تو اس کے بارے میں یہ وضاحت کئی بار ہو چکی ہے کہ اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا وہ حالات اور تجربات پر موقوف ہے۔

ریڈیو کے ذریعہ خبرِ مستفیض ممکن ہے

پانچ چھ افراد کی اطلاع خبر مستفیض بن سکتی ہے۔

یوں تقریبی طور پر پانچؒ سے زیادہ چھؒ، ساتؒ کی تعداد کو علامہ مُحقق کی بیان کردہ تعریف سے ماخوذ تعداد (یا یں طور

کہ لفظ جماعت کا اطلاق دو پر ہو سکتا ہے۔ پھر اس کی جمع بنالی جائے تو (۲×۳=۶) اس طرح چھ ہو جاتے ہیں) جس کو حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ نے اپنے رسالہ میں اختیار کیا ہے اور حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رحمۃ اللہ کا اختیار کردہ ہونا بھی بیان کیا ہے) خبر مستفیض کے حصول کے لئے متعین کیا جا سکتا ہے۔ یعنی پانچ چھ جگہ کے ریڈیو اسٹیشن پانچ چھ مقامات کی خبر نشر کریں یا ایک جگہ کی۔ یا چند ریڈیو اسٹیشن اگر پانچ چھ مرتبہ کسی جگہ پر رویت ہو جانے کا اعلان نشر کرتے ہیں تو دوسری جگہ اس اعلان کے مطابق فیصلہ کیا جانا درست ہو گا۔ بشرطیکہ وہاں کے ارباب حل وعقد مطمئن ہو جائیں۔ اس سے کم یعنی دو ایک خبروں پر روزہ رکھنے کا فیصلہ کرنا یا روزہ توڑنے اور عید کرنے کا فیصلہ درست نہ ہو گا۔ خاص طور پر عید کے فیصلہ میں مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہلال کمیٹی یا شرعی پنچایت کے (غور وخوض کے بعد) فیصلے کئے جانے سے قبل روزہ نہ رکھنا چاہئے۔ اسی طرح روزہ توڑنا اور عید منانا بھی جائز نہ ہو گا بالخصوص روزہ توڑنے میں تو اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے وہ تو بغیر فیصلہ کے توڑنا

محض ریڈیو کی خبر پر روزہ نہیں توڑنا چاہئے

قطعاً جائز نہیں ہو سکتا لیکن باوجود عدم جواز کے کوئی نادان شخص روزہ توڑ لے تو اس پر صرف قضا لازم ہو گی کفارہ نہیں کیونکہ یہ کفارہ معمولی شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فقہ کی ہر معتبر کتاب میں موجود ہے۔ مثلاً

ہدایہ میں ہے:۔

هذه الكفارة تندرئ بالشبهات" (ہدایہ اولین ص ۱۹۵) — یہ کفارہ شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے

علاوہ ازیں فتاوی قاضی خان وغیرہ میں ایک ایسا جزئیہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس میں روزہ توڑنا باتفاق علماء حرام ہے، مگر اس کے باوجود مفطر پر کفارہ واجب نہیں ہوتا وہ جزئیہ یہ ہے:۔

ان داحد لو رأه (الهلال) في نهار الثلاثين من رمضان فظن انقضاء مدة الصوم وافطر — کوئی رمضان کی تیس تاریخ کو دن میں چاند دیکھ کر اسی وقت افطار کر لے یہ سمجھ کر کہ

عمداً ینبغی ان لایجب علیہ الکفارۃ و اب رمضان ختم ہوگیا ہے تو اس پر قضا

ان رأوہ بعد الزوال وقال قاضی خان ان افطروا لا آئے گی کفارہ نہیں۔

کفارۃ علیھم لانھم افطروا۔ (حاشیہ شلبی بر زیلعی ص ۳۲۲ ج ۱ وفتح القدیر ص ۳۴۳ ج ۲)

بتاویل وقال علیہ الصلوۃ والسلام افطر ولس ثم یتلہ (زیلعی ص ۳۲۲ ج ۱ بحر الرائق

ص ۲۲۴ ج ۲ .... وقال ذکرہ قاضی خان وفی الفتاوی

الظھیریۃ۔

یہ جزئیہ اس مسئلہ میں کافی روشنی بہم پہنچاتا ہے۔ کیوں کہ یہاں (ریڈیو کی اطلاع پر افطار) بھی اس سے ملتی جلتی صورت ہے۔ اسی طرح ایک جزئیہ شامی میں ذکر کیا گیا ہے وہ یہ کہ: اگر اہل رستاق (گاؤں کے لوگ) رمضان کی ۳۰ تاریخ کو طبل کی آواز کو اعلانِ رویت کی علامت سمجھ کر روزہ کھول لیں اور بعد میں پتہ چلے کہ یہ اعلان کا طبل نہیں تھا اور نہ رویت ہوئی ہے تو ان روزہ کھولنے والوں پر کفارہ واجب نہیں ہوگا صرف قضا آئے گی (ردالمحتار ص ۱۰۶ ج ۲)

ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا

خلاصۂ کلام یہ کہ ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑنا تو نہ چاہیئے تھا لیکن اگر کسی نے یہ غلطی کر ہی لی کہ روزہ توڑلیا تو کفارہ واجب نہیں ہوگا اگرچہ یہ شخص گناہ گار ہوگا۔ بلکہ اگر تحقیق ہوجائے کہ اس دن رویت ہوچکی ہے اور بعد میں یہاں بھی فیصلہ کردیا جائے تو قضا بھی واجب نہیں ہوگی جیسا کہ حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن صاحبؒ (سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) نے اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے (اگرچہ اس کا حوالہ مفتی صاحبؒ نے نہیں دیا اور نہ احقر کی نظر سے کہیں یہ گذرا باوجود تلاش کے۔ مگر حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ بجائے خود سند ہے جس کے بعد مزید حوالہ کی حاجت نہیں معلوم ہوتی) مفتی صاحب ایک سائل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

...." عید یکشنبہ ثابت شد آنانکہ بلاحجت شرعیہ بروز یکشنبہ افطار صیام کردہ عید کردہ بودند قضائے صوم از ایشاں ساقط شد[۱]" (اسی طرح کا ایک اور فتویٰ مفتی صاحبؒ موصوف کا اور ایک مولانا عبدالحئیؒ کا نیز اس بارے میں مزید تفصیل آگے ٹیلی فون کی بحث میں بیان کی جائے گی۔ (انشاء اللہ)

سربراہ حکومت کے اعلان سے پورے ملک کیلئے رویت کا حکم ثابت ہوسکتا ہے

استفاضۂ خبر کی صورت کے علاوہ دوسری صورت.... ریڈیو کے اعلان کے ہمہ گیر ہونے کی وہ ہوسکتی ہے جس کو اوپر بحث کے شروع میں "امر سلطان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ سلطان یا والی (امام اعظم) اپنے حدود سلطنت کے اندر باختیار خود اس فیصلہ کو نافذ کردے۔ تو تمام اہل ملک کو چاہے وہ کتنے ہی فاصلہ پر رہتے ہوں) اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔ جیسا کہ فلسفی فقیہ ابن رشد نے نقل کیا ہے:۔

ان الرؤیۃ لا تلزم بالخبر عند غیر اھل البلد الذی وقعت فیہ الرؤیۃ الا ان یکون الامام یحمل الناس علی ذلک (بدایۃ المجتہد صفحہ ۲۷۰ ج ۱)	جس شہر میں رویت ہوئی اس کے علاوہ کسی اور شہر میں اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ امام تمام لوگوں کو اس حکم پر عمل کرنے کا ذمہ دار بنائے

اس کی وجہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ امام کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے چنانچہ اس کی تعریف ہی بایں الفاظ کی گئی ہے:۔

استحقاق تصرف عام علی الانام ای علی الخلق لان المستحق علیہم طاعۃ الامام۔	عوام پر تمام اختیارات و تصرفات کا حق جسے حاصل ہو۔

(درمختار و اس کی شرح ردالمحتار صفحہ ۴۸۴ ج ۱)

اسی طرح علمائے امت میں ممتاز حیثیت کے حامل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ اور متاخرین میں سے شہرۂ آفاق عالم، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ نے اس بارے میں ارشاد

[۱] فتاویٰ دارالعلوم ج ۳ ص ۵۳-۵۴

فرماتے ہیں:۔

لایلزم اھل بلد رویۃ غیرھم الا ان یثبت ذلک عند الامام الاعظم فیلزم الناس کلھم لان البلاد فی حقہ کالبلد الواحد اذحکمہ نافذ فی الجمیع (فتح الباری ص ۱۰۶ ج ۴ وشامی الادطار ص ۲۰۶ ج ۴)

امام کے نزدیک اگر رویت ثابت ہو جائے تو وہ اپنے حدود مملکت میں تمام لوگوں پر اس حکم کو لازم کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اس کے حق میں پورا ملک ایک شہر کی طرح ہے۔

ان جلیل القدر علماء کے علاوہ عصر حاضر کے مایۂ ناز فقیہ مفتی اعظم پاکستان اور سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدت فیوضہم نے اپنے رسالہ "رویتِ ہلال" میں علمائے احناف کے مشہور قول (اختلاف مطالع کو معتبر نہ ماننے کی بنیاد پر)

"لو رأی اھل مغرب ھلال رمضان

یجب الصوم علی اھل مشرق" (عالمگیری ص ۲۱۱ ج ۱)

کی ایک توجیہ یہ فرمائی ہے کہ حاکم عام اپنے حدود سلطنت کے اندر اہل مغرب کی رویت کی بنا پر اگر اعلان کرا دے تو اہل مشرق کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا۔ (نقل مفہوم۔ کیونکہ سطور ذیل لکھتے وقت رسالہ سامنے نہیں ہے۔ کافی دن پہلے اسے پڑھا تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ مفہوم ہی ذہن میں رہ سکتا ہے۔

سلطان یا والی کے اعلان کی صورت ان ممالک میں تو بآسانی متحقق ہو سکتی ہے۔ جہاں سربراہ مسلمان ہو۔ چنانچہ سعودی عرب (جو ممالک اسلامیہ میں اس اعتبار سے نہایت ممتاز اور قابل قدر ہے کہ وہاں شرعی احکام خاصی حد تک نافذ ہیں اور بہت سے معاملات میں اس کے مطابق ہی فیصلے ہوتے ہیں اور شریعت کا احترام کیا جاتا ہے) میں ملک کے اگر کسی گوشے میں رویت ہو جاتی ہے تو شرعی طور پر ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد اس کے

مطابق فیصلہ کر کے عام اعلان کرا دیا جاتا ہے جس پر تمام اہل ملک عمل کرتے ہیں۔ چاہے وہ ایک دوسرے سے کتنی ہی دوری پر رہتے ہوں مثلاً دارالسلطنت ریاض اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک ہزار میل کے قریب فاصلہ ہے اس کے باوجود ایک جگہ کی رویت سے دوسری جگہ بھی رویت کا حکم نافذ کر دیا جاتا ہے یہی (مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے) صحیح طریقہ ہے۔

لیکن ایسے ملک جہاں سربراہ مسلمان نہیں ہوتے وہاں اس صورت کا پایا جانا مستبعد ہے۔ مگر وہاں اس کا بدل ممکن...... ہے۔ جس کی چند شکلیں ہو سکتی ہیں:۔

جہاں سربراہ حکومت مسلمان نہ ہو وہاں حکم رویت میں عموم کی صورتیں...

۱۔ سب سے زیادہ مناسب اور قابل عمل شکل یہ ہے کہ حکومت (غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو) مسلمانوں میں سے کسی ثقہ متدین عالم کو کم سے کم رویت کے اعلان کے بارے میں مختار عام بنا دے جس کا فیصلہ تمام اہل ملک کے لئے نافذ ہو سکے۔ اور پھر اس فیصلے کا اعلان ریڈیو کے ذریعہ کیا جائے (مذکورہ شرائط کے مطابق) تو وہ تمام اہل ملک کے لئے نافذ العمل ہوگا۔ حکومت غیر مسلم کی طرف سے والی مقرر کئے جانے کے بارے میں فقہائے امت کی رائیں حسب ذیل ہیں:۔

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:۔

اذا ولی الکافر علیهم قاضیاً ورضی المسلمون صحت تولیته بلا شبهة	مسلمانوں پر اگر کسی غیر مسلم حکومت کی طرف سے حاکم مقرر کر دیا جائے اور مسلمان رضامند ہوں تو یقیناً درست ہے۔
(شامی ص ۳۶۲ ج ۴)	

اسی طرح ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:۔

وكل مصر فيه والٍ من جهتهم (من جهة الكفار) تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد (رد المحتار ص۲۳ ج۲)

جہاں غیر مسلموں کی طرف سے حکام ہوں وہاں جمعہ وعید کی اقامت جائز ہے۔

ان فقہی اقوال سے معلوم ہوا کہ اگر غیر مسلم حکومت کی جانب سے کوئی با اختیار حاکم مقرر کر دیا جائے تو اس کا فیصلہ جس طرح دوسرے امور دینیہ (نکاح طلاق وغیرہ) میں نافذ ہوتا ہے اسی طرح چاند کی رویت کے بارے میں بھی نافذ ہوگا۔ البتہ حدود اختیار اور دائرۂ اثر کی بات طے ہونا ضروری ہے۔ اگر دائرۂ اثر پورا ملک قرار دیا جائے تو پورے ملک میں اس کا حکم جاری ہوگا اور اگر محدود ہو تو اسی محدود دائرہ میں۔

ہلال کمیٹی سلطان کے قائمقام ہوسکتی ہے

ع۲ ملک کے تمام مسلمان کسی ایک ثقہ و متدین مسلمان عالم کو (یا ایسے چند علماء پر مشتمل کمیٹی کو) اپنے تمام شرعی معاملات میں یا کم سے کم چاند کے بارے میں (صراحۃً یا دلالۃً) فیصلہ کرنے کا مجاز بنا دیں تو اس کے فیصلہ اور اعلان کو بھی ہمہ گیر حیثیت حاصل ہوسکتی ہے اگرچہ یہ شکل (تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص کو اختیار تفویض کرنا) بہت مشکل ہے لیکن بہرحال ممکن تو ہے۔ فقہاء کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ایسے ملک میں جہاں حکومت مسلمہ نہ ہو وہاں کسی دین دار مسلم عالم کو ہمہ گیر اختیار دینا اور اس کا انتخاب کر کے والی بنانا ضروری ہے۔ اس بارے میں محقق ابن ہمام کا قول سنئے:۔

واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة واقروا المسلمين عندهم

جب مسلمان بادشاہ یا کوئی قانونی سربراہ نہ ہو جیسا کہ آج کل بعض مسلمان ملکوں میں (ہندوستان کی طرح) کفار کے غلبہ سے یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے مثلاً قرطبہ، بلنسیہ اور حبشہ کے متعدد شہروں میں

علی مال یوخذ منھم یجب علیھم ان یتفقوا علی واحد منھم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا او یکون ھو الذی یقضی بینھم (فتح القدیر ج۵ ص۳۶۵ و شامی ج۴ ص۳۲۱)

آج کل جو حالت ہے کہ ٹیکس لیکر مسلمانوں کو ٹھہرنے دیا ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو متفق ہو کر والی منتخب کرلیں تاکہ وہ قاضی کا انتخاب کرے یا والی خود ہی مسلمانوں کے فیصلے کرے۔

جہاں حکومت غیر مسلم ہو اس جگہ مسلمانوں کو دینی معاملات کے لئے اپنا والی مقرر کرلینا ضروری ہے

علامہ ابن ہمامؒ کے الفاظ "یجب علیھم ان یتفقوا علی واحد منھم" خاص طور پر قابل غور ولائق توجہ ہیں جن سے اسلام کی روح اجتماعیت اور اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرنے کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا کرنا ضروری کیوں نہ ہو جب کہ داعی اسلام ہادی کل و ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر جیسی عارضی اور عبوری حالت کے لئے بھی اجتماعیت قائم رکھنے اور اس میں امام مقرر کرلینے کا حکم دیا ہے[۱] تو اب امت کی اتنی عظیم جماعت وکثرت کو بغیر کسی سرپرست اور امیر کے رکھنا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے اور عوام کو اپنے ہاتھ میں قانون لے کر من مانے فیصلے کرنے کی اجازت کیوں کر دی جا سکتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ایسی صورت میں جب کہ حکومت اسلامیہ نہ ہو اور نہ حکومت غیر مسلمہ کی جانب سے کوئی والی مقرر کیا جائے تو خود مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی کو اپنا بڑا اور صاحب اختیار بنالیں تاکہ اسی کے حکم پر سب یا اکثریت سر تسلیم خم کردے۔ بلکہ اس حکم ۔ ۔ ۔ ۔ کی روح پر نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی ثقہ عالم (یا چند علماء کی کمیٹی) اپنے تقوے اور علم و دیانت کی بنا پر اہل ملک میں اس درجہ اعتماد حاصل کرلے کہ لوگ اس کی بات اور فتوی بلا چوں وچرا تسلیم کرنے لگیں تو اس کو

---

[۱] دیکھئے مشکوٰۃ باب الاذان ص۶۶ ج۱

(کم سے کم رویت ہلال کے اعلان کے بارے میں) حاکم عام کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ اس استنباط کی تائید فقہاء کے ان کلمات سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے اس جیسے موقعہ پر استعمال کئے ہیں مثلاً "بتراضی المسلمین" (یا اوپر گذرے کلمات "درضی المسلمون" یہ خود بتا رہے ہیں کہ اصل بات یہی ہے کہ عمومی اعتماد حاصل ہو۔ یہ "عمومی اعتماد" قانونی اختیارات کا بدل ہو جائے گا۔ بلکہ عملاً اس سے بھی زیادہ اس کا اثر مشاہدہ میں آیا ہے جس کے ذکر سے مسلمانوں کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور معتبر کتاب میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ حکومتِ مسلمہ کے فقدان کی صورت تمام مسلمانوں کے معاملات کا طے کرنا علماء کی ذمہ داری ہو جاتی ہے اور مسلم عوام پر ان علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیجئے کتاب ہذا کے الفاظ آپ بھی پڑھ لیجئے!

سلطان نہ ہو تو دینی معاملات کے ذمہ دار علماء ہوتے ہیں

اذا خلا الزمان عن سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء و یلزم الامۃ الرجوع الیھم (الحدیقۃ المحمدیہ بحوالہ رسالہ برہان ص۳۰۷ ج ۶۳)

جب شرعی ضرورتوں کا پورا کرنے والا کوئی بااختیار حاکم نہ ہو تو (دینی) معاملات کی ذمہ داری علماء پر عائد ہو جاتی ہے اور امتِ مسلمہ پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ علماء کی ہی طرف رجوع کریں۔

ان صراحتوں کو پیش نظر رکھ کر اس نتیجہ تک پہنچنا چنداں دشوار نہیں رہ جاتا کہ

ملک گیر جماعت ریڈیو پر اعلان کرائے تو تمام لوگ اس پر عمل کریں

ملک گیر اعتماد یافتہ فرد، یا جماعت فیصلہ کر کے ریڈیو پر اپنے نمائندہ کے ذریعہ اعلان کرا دے تو اس پر تمام اہل ملک کو عمل کرنا درست ہوگا (مرادآباد میں جمعیۃ علماء کے فیصلہ کا یہی محمل معلوم ہوتا ہے مزید تفصیل آگے آرہی ہے) لیکن بایں ہمہ مقامی طور پر ہر جگہ قابل اعتماد دیندار مسلمانوں کی جماعت۔ جس میں کم از کم ایک عالم ضرور ہو۔ کو اس اعلان کی روشنی میں اپنے اپنے مقامات پر فیصلے کر کے عوام کو مطلع کرنا چاہئے۔ بغیر مقامی

طور پر فیصلہ کے عوام کو از خود اس اعلان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہ ہونا چاہیے ورنہ انتشار و اختلاف پیدا ہو جانے کے علاوہ اس بات کا پورا خطرہ رہے گا کہ عوام "ریڈیو کی خبر" اور "فیصلہ کے اعلان" کے درمیان فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے غلط نتیجہ اخذ کر کے عمل کریں گے اور گناہ مول لیں گے کیوں کہ محض ریڈیو کی خبر کی بنیاد پر افطار یا صوم درست نہ ہوگا (جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے)

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ملک گیر اعتماد یافتہ عالم یا علماء کی جماعت بہرحال من کل الوجوہ تو سلطان یا والی کی برابر نہیں ہو سکتی کیوں کہ اس جماعت کے پاس اخلاقی طاقت کے علاوہ اور تو کوئی ایسی قوت ہوگی نہیں جس کی وجہ سے اس کے حکم سے سرتابی کی گنجائش نہ ہو۔ غالباً فیصلہ مراد آباد میں ان ہی مصالح کی رعایت کی گئی ہے اور اس لئے مقامی جماعت کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

"استفاضۂ خبر" کی صورت میں بھی فیصلہ مقامی طور پر علماء پر مشتمل جماعت ہی کرنے کی مجاز ہوگی۔ کیوں کہ عوام پر اگر فیصلہ چھوڑ دیا جائے تو وہ "افواہ" اور "خبر صحیح کی شہرت" کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت نہ رکھنے کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ بے بنیاد افواہ کو ہی خبر مستفیض سمجھ بیٹھیں اور اس پر ہی فیصلہ کرلیں جو یقیناً غلط ہوگا۔ مزید یہ کہ ان کو اختیار دینا گویا انتشار اور بدنظمی کو دعوت دینا ہوگا۔ اس لئے فیصلہ سے قبل (اگر عید کا موقعہ ہے تو) روزہ نہ توڑنا چاہئے لیکن اگر کوئی روزہ توڑ لے تو اس کا روزہ توڑنے والے کا اگر بعد میں بھی رویت کا فیصلہ نہ ہو تو احتیاطاً قضا کر لینا چاہئے۔

<u>ایک ثقہ عالم قاضی کا بھی قائم مقام ہو سکتا ہے</u> | جب یہ ثابت ہو چکا کہ حاکم امام یا والی

وسلطان کا قائم مقام ایک ثقہ عالم (یا علماء پر مشتمل کمیٹی) تمام اہل ملک کے لئے ہو سکتی ہے (ملک گیر اعتماد حاصل کر لینے یا حکومت کی جانب سے مقرر کئے جانے کے بعد) تو نسبتہً محدود دائرہ میں یعنی مقامی طور پر ہر شہر کے لئے اسی طرح کی جماعت بدرجہ اولیٰ قاضی کی قائم مقام بن سکتی ہے۔ حکومتِ اسلامیہ کے زیر اثر محدود دائرہ کے حاکم کے لئے قاضی کا منصب ہوتا تھا۔ اب اس کے لئے بھی اوپر لکھی وجوہ کے مطابق علماء کی جماعت یا ایک ثقہ عالم کو یہ درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فقہائے کرام رحمہم اللہ کو جزائے خیر دے کیوں کہ انھوں نے اس بارے میں بھی شریعت کی روح کو پیش نظر رکھ کر ہماری راہنمائی کی ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کے اقوال پیش کئے جا رہے ہیں:۔ شامی میں ہے:۔

لو اجتمع اهل بلدة تولية واحد القضاء لم يصح هذا حيث لا ضرورة والا فلهم تولية القضاء ..... وكل مصر فيه وال من جهتهم (من جهة الكفار) تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد .... وتقليد القضاة .... واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي بتراضي المسلمين فيجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما۔

(رد المحتار ص۳۲۱ ج ۴)

عوام کو بلا ضرورت از خود کسی جگہ اتفاق کر کے قاضی کا مقرر کرنا صحیح نہیں .... ہاں اگر ضرورت ہو تو لوگوں کے اتفاق سے قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے .... جس شہر میں حکومت غیر مسلمہ کی طرف سے حاکم مقرر ہو تو وہاں جمعہ، عیدین (و دیگر شرعی احکام کا نفاذ) جائز ہیں .... اور قاضی مقرر کرنا بھی ..... جہاں کفار حکمران ہوں وہاں بھی جمعہ و عیدین کا قیام جائز ہے۔ اور مسلمان جس پر متفق و راضی ہو جائیں وہ شخص قاضی بن سکتا ہے۔ ایسے مقام پر مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنا کوئی سربراہ مقرر کر لیں۔

یہی بات حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ فرنگی محلی نے ارشاد فرمائی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

والعالم الثقة فی بلدة لاحاکم فیها قائم مقامه (عمدة الرعایہ بر شرح وقایہ ص۲۳۶ ج۱)

جہاں حاکم اور عالم نہ ہوں وہاں دیندار لوگ اس جگہ کو پر کریں۔؟

اور ایسے مقامات پر جہاں کوئی حاکم یا عالم نہیں ہے وہاں کے رہنے والے رمضان المبارک کے چاند کا فیصلہ ایک دیندار مسلمان (عدل) اور عیدین کا دو دیندار (عدلین) کی خبر پر کر دیں تو آمدِ رمضان و عید ثابت ہو جائے گی۔ جیسا کہ شامی میں ہے:۔

ولو کانوا ببلدة لاحاکم فیها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلین (درمختار) (قوله ببلدة) ای او قریة قال فی السراج لو تفرد واحد برؤیته فی قریته لیس فیها والی لم یأت مصرا لیشهد وهو ثقة یصومون بقوله قلت والظاهر انه یلزم اهل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیة القنادیل من المصر (شامی ص۹۹ ج ۲)

ایسے مقام پر جہاں حاکم نہ ہو وہاں ایک معتبر شخص کے کہنے پر روزہ رکھا جائے گا اور دو کے کہنے پر عید منائی جائے گی۔ خواہ وہ مقام شہر ہو یا قصبہ۔ سراج میں کہا ہے اگر تنہا ایک شخص نے چاند دیکھا تو اسکو گواہی دینے کے لئے شہر جانا ضروری نہیں۔ اگر وہ دیندار ہے تو لوگ اس کے کہنے پر روزہ رکھیں۔ میرا کہنا ہے۔ کہ گاؤں کے رہنے والے اگر شہر سے توپ کی آواز سن لیں، یا میناروں کی روشنی دیکھ لیں تو بھی ان پر حکم لازم ہو جائے گا

بلکہ یہاں کسی فیصلہ کی بھی ضرورت نہیں اگر کوئی دیندار شخص (بحالت ابر وغبار یا دیگر عوارض) رمضان کا چاند دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ مسجد میں آکر گواہی دیدے اسکے بعد سب پر روزہ رکھنا ضروری ہو جائے گا جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں ہے:۔

امانی السواد اذا رأى احدهم هلال رمضان يشهد فی مسجد قریة وعلی الناس ان يصوموا بعد ان يكون عدلا اذا لم يكن هناك حاكم (عالمگیری ص ۲ ج ۱ وشامی ص ۹۹ ج ۲ ومجمع الانہر ص ۲۳ ج ۱)	گاؤں میں چاند دیکھنے والا مسجد میں آکر گواہی دیدے اور اگر یہ دیندار ہے تو لوگوں پر روزہ رکھنا ضروری ہوگا (محض اس شخص کے بیان پر) جب کہ وہاں کوئی حاکم نہ ہو (ورنہ حاکم کے فیصلہ کے بعد)

اسی طرح عید کے بارے میں بھی حکم ہے کہ دو دیندار مسلمان چاند دیکھنے کی خبر دیدیں تو عید کی جائے۔

واذا اخبر رجلان فی هلال شوال فی السواد والسماء متغيمة وليس فيه والٍ ولا قاضٍ فلا بأس للناس ان يفطروا ..... وتشترط العدالة (عالمگیری ص ۱ ج ۲)	دو آدمیوں نے شوال کے چاند کی گاؤں میں اطلاع دی ایسی حالت میں جب کہ آسمان ابر آلود ہے اور وہاں کوئی حاکم نہیں ہے تو لوگ عید منا سکتے ہیں بشرطیکہ یہ دونوں خبر دینے والے دیندار ہوں۔

یہی بات محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:۔

من رأى هلال رمضان فی الرستاق (القرية) وليس هناك والٍ ولا قاضٍ فان كان ثقة يصوم الناس بقوله وفی الفطر ان اخبر عدلان برؤية الهلال	جو شخص رستاق (یعنی بستی) میں چاند دیکھے جہاں کوئی حاکم نہیں ہے تو اگر یہ شخص دیندار اور سچا ہے تو اس کے کہنے پر روزہ رکھ لینا چاہئے اور عید کا موقع ہو تو دو دیندار شخصوں کے چاند دیکھنے کی اطلاع پر (عمل کرنا چاہئے)

اس مسئلہ کا ذکر فرمانے کے بعد موصوفؒ استدلالی انداز میں ایک بڑا چبھتا ہوا سوال کرتے ہیں:۔

ارأيت لو لم ينصب فی	آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ

الدنیا امام و لا قاض حتی عصوا بذلک اما کان لیصام بالرویۃ (فتح القدیر صفحہ ۲۵۲ / ۲)

اگر دنیا والے امام و قاضی کو مقرر نہ کرنے کے گناہ گار ہوں تو کیا چاند نظر آنے پر بھی روزہ نہ رکھا جائے گا؟

مذکورہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں ہر ایسے مقام کا حکم بھی معلوم ہو گیا جہاں کوئی حاکم شرعی یا اس کا قائم مقام — علماء کی جماعت یا ثقہ عالم — نہ ہو، کہ وہ لوگ رویت کا فیصلہ مقامی طور پر کسی دیندار شخص سے کرائیں یا چاند دیکھنے کے بعد خود ہی عمل کریں لیکن اگر دیہات میں رویت نہیں ہوئی تو یہ لوگ قریبی شہر کے تابع ہوں گے۔ چنانچہ انہیں اگر اقرب ترین شہر یا قصبہ سے رویت کی کوئی معتبر خبر مل جائے یا شہر کی کوئی علامت (ریڈیو کا اعلان، روشنی، توپ کی آواز وغیرہ) ان تک پہنچ جائے تو رمضان وعیدین کے احکام ان لوگوں پر نافذ ہوں گے

دیہات کے لوگ شہر کے تابع ہوں گے،

(حوالے اور تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔) غالباً اسی وجہ سے دیہات کے لوگوں کا ایک معمول چلا آ رہا ہے کہ وہ رؤیت نہ ہونے کی صورت میں شہر کی اطلاع پر رمضان وعید کا فیصلہ کرتے ہیں اور عید کی نماز تو اکثر دیہات کے لوگ شہر ہی میں آکر پڑھتے ہیں۔

بہرکیف ریڈیو کی اطلاع اگر وہ اعلان کے طور پر ہو تو وہ منادی کے اعلان کے مشابہ قرار دی جا سکتی ہے۔ خبر مستفیض اسے نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ خبر مستفیض کی حقیقت میں تعدد موجود ہے۔ اگرچہ تعداد کی تحدید نہیں کی گئی۔ ایک فرد کی خبر خواہ وہ کتنی ہی معتبر اور قابل وثوق ہو بہرحال رہے گی وہ "ایک ہی خبر"۔ متعدد نہیں ہو جائے گی اگر اس کو خبر مستفیض قرار دیا گیا تو اس کا نتیجہ استفاضہ کی حقیقت کو ہی بدل دینا ہوگا جس کا لازمی اثر .... ایک مسلمہ اصول کو توڑنا ہوگا۔ ریڈیو کے اعلان کو شہادت بھی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے (اس کی تفصیل اور دلائل شروع بحث میں آپ

ملاحظہ فرما چکے) وہاں یہ بات بھی تفصیل سے بیان ہوئی کہ کہ اس اعلان کو ملک گیر حیثیت دیئے جانے کے لئے اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اتھارٹی جس کی طرف سے اعلان ہوا ہے اسے ملک گیر اعتماد حاصل ہو۔ اس صورت میں تمام ملک کے لوگوں کے لئے اس پر عمل کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے اس کے بغیر نہیں ــ اعلان کرنے والے کا مسلمان ہونا تو بہرحال ضروری ہے کیوں کہ امور دینیہ میں غیر مسلم کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا :۔

(لا یقبل قول الکافر فی الدیانات | دینی معاملات میں کافر کا قول معتبر
عالمگیری صتتہ ج ۵) | نہیں۔

فیصلہ مراد آباد میں منادی کیلئے مسلم معتمد کی قید، اور چاند کا معاملہ امر دینی ہی ہے (چاہے بعض دوسرے پہلو بھی نکلتے ہوں جیسا کہ عید کے چاند میں) اس اصل سے پتہ چلا کہ فیصلۂ مراد آباد میں مذکور "مسلم" کی قید احتیاطی نہیں ٹھہرائی جاسکتی بلکہ ضروری اور احترازی ہی کہی جاسکتی ہے البتہ وہاں "معتمد" کی قید بھی لگائی گئی ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ اگر "معتمد" کے معنی عدل لئے جائیں تو یہ قید بعض احتیاطی ہوگی۔ ضروری نہیں ہوگی۔ کیوں کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ منادی سلطان کا دیندار ہونا یعنی عادل ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر معتمد سے مراد یہ ہو کہ وہ اعلان کرنے والا شخص مجاز ہو اور باقاعدہ اسی کام کے لئے نمائندہ مقرر کیا گیا ہو۔ ....
.... تب یہ شرط بھی ضروری ہی قرار پائے گی محض احتیاطی نہیں۔ بظاہر ریڈیو کی خبر کو اعلان قرار دیئے جانے کی بنا پر مقامی جماعتوں کے فیصلے کی ضرورت نہیں رہنی چاہیئے لیکن فیصلۂ مراد آباد میں اس ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی مصلحت پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے کہ "اعلان کی حیثیت" اور "خبر" کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لئے ہے۔ کیوں کہ اگر عوام کو اختیار دے دیا جائے تو وہ

بلا امتیاز کئے ریڈیو پر نشر ہونے والی رویت کی ہر اطلاع کو اعلان سمجھ کر اس کے مطابق عمل شروع کردیں گے اس کا مشاہدہ گذشتہ سالوں میں کئی بار ہو چکا ہے ۔ اس کے علاوہ ایک فرق "طبعی" بھی ہے ۔ جس کی طرف اوپر کے صفحات میں بھی اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ علماء کی کمیٹی کو حاکم عام کا درجہ ضرورت کی بنا پر حکماً دیا گیا ہے نہ کہ حقیقتاً ۔ اس لئے ان کا فیصلہ ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا (برخلاف والی یا سلطان کے حکم کے) اس لئے مقامی فیصلے سے یک گونہ تقویت حاصل ہو جائے گی جس کی یہاں ضرورت ہے ۔

پاکستان کے ریڈیو کی خبر کا حکم

اب صرف پاکستان کے ریڈیو پر رویت ہلال کی خبر نشر ہونے کی بات تحقیق طلب رہ جاتی ہے ۔ اس پر غور کرنے سے قبل اختلافِ مطالع کی بحث اور اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کی بات طے ہوجانا ضروری ہے (اختلاف مطالع کی تفصیلی بحث آگے آرہی ہے) اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ہند و پاک کے درمیان اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ ہوگا ۔ یعنی یہاں کی رویت سے وہاں حکم اور وہاں کی رویت سے یہاں حکم دیا جاسکتا ہے تو اس کے بعد حسب ذیل امور قابل غور ہیں :۔

کیا پاکستان کا ریڈیو شرعی فیصلہ کو بامر سلطان نشر کرتا ہے ؟ اگر یہ بات تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لی جائے اور اس بحث سے قطع نظر کرلیا جائے کہ آج کل کے نظامہائے حکومت میں کسی سربراہ کو "سلطان یا والی" کی حیثیت حاصل ہوتی ہے یا نہیں ؟ تب بھی ایک ملک کا فیصلہ دوسرے ملک کے لوگوں پر نافذ نہیں ہوسکتا یا نافذ ہونا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ (اگرچہ یہاں یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں' اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے) ہند و پاک دو الگ الگ ملک ہیں ۔

اور اگر ریڈیو پر نشر ہونے والی اطلاع اعلان نہیں ہے بلکہ محض ایک خبر ہے جیسا کہ اناؤنسر کے اندازِ بیان سے پتہ چلتا ہے تو پھر یہاں تو کیا پاکستان میں بھی اس پر عمل

کرنا ضروری نہیں ہوتا غالباً اسی وجہ سے وہاں ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہو چکا ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ دن کے علاوہ عید منائی گئی۔ اور چند سال قبل (غالباً ۱۹۶۶ء میں) ایسا کئے جانے پر علماء کی دار و گیر بھی ہوئی تھی۔

ہاں! صرف ایک صورت ممکن ہے جو نہ صرف تمام اہل پاکستان بلکہ ہندوستان کے لوگوں کیلئے بھی قابل عمل اور لائق توجہ ہو سکتی ہے وہ یہ کہ وہاں ایسے علماء حق کی دیانت اور ثقاہت یہاں کے لوگوں کے نزدیک بھی مسلم ہو ان کی کمیٹی باقاعدہ شرعی فیصلہ کرکے رویت کا اعلان ریڈیو پر کرائے اور وہ بحیثیت اعلان نشر ہو --- نہ بحیثیت خبر --- تو یہاں کے لوگوں کے لئے بھی اس کے مطابق فیصلہ کرکے اس پر عمل کرنا درست ہوگا۔ غالباً فیصلۂ مراد آباد میں بھی یہی صورت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اسی بنا پر اہل ہند و پاک دونوں کے لئے اس حکم کو قابل عمل بتایا گیا ہے۔

شمس الائمہ حلوانی کے الفاظ کا مطلب

نوٹ: شمس الائمہ حلوانی کے الفاظ "ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل البلدة الاخرى يلزمهم حكم هذه البلدة" جب خبر عام طور پر مشتہر ہو جائے اور اس کی تحقیق ہو جائے تو دوسرے شہر میں اس خبر کے مطابق حکم لازم ہو جائیگا کا اقتضاء یہ ہرگز نہیں ہے کہ نام نہاد "خبر مستفیض" کے ذریعہ کسی دوسرے شہر میں کوئی اطلاع پہنچے تو بغیر اس کی چھان بین کئے کہ خبر مستفیض ہے یا افواہ فوراً عمل شروع کردینا ہر کس و مہ پر لازم ہوگا۔ بلکہ یہاں لزوم سے وہی معروف اور مشروط لزوم مراد ہے جس طرح چاند کی رویت سے لزوم ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ کبھی بھی نہیں سمجھے جاتے کہ ایک دو افراد نے چاند دیکھا اور بغیر کسی قاضی یا حاکم کے فیصلہ کئے تمام اہل شہر پر روزہ یا افطار لازم ہوگیا۔ اگر یہی عموم مطلوب ہوتا تو پھر شہادتِ رویت اور اسی باب کے دیگر احکام بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں بھی

لزوم سے مراد وہی ہوگا کہ جب حاکم یا عالم اس خبر مستفیض کی نوعیت کا اندازہ لگا کر فیصلہ کر دے تب عمل لازم ہوگا۔

(۳)

ٹیلی فون کا حکم ٹیلی فون کے بارے میں یہ کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ یہ بھی خبر رسانی کا جدید آلہ ہے اور اس کا صریحی حکم نصوص شرعیہ و کتب فقیہہ میں ملنے سے رہا۔ اس لئے لامحالہ کسی ایسی چیز پر قیاس کر کے اس کا حکم دریافت کیا جا سکتا ہے جو فون کے متشابہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی بھی ہو کہ جس کا صریحی حکم مسلّمہ قدیم مآخذ میں ملتا ہو۔ چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قریب ترین مشابہہ خط ہے یہی وجہ ہے کہ زمانۂ حال کے مستند علماء میں سے جن صاحب نے بھی ٹیلیفون کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اس کو خط پر ہی قیاس کر کے اظہار خیال کیا اور حکم شرعی دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً ہند و پاک کے معروف و مستند ثقہ عالم و فقیہہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ نے اپنے رسالہ میں اسے یک گونہ خط کے متشابہ قرار دے کر ہی اس کا حکم دریافت کرنے کی کامیاب و قابل قدر کوشش فرمائی ہے۔

خط اور فون میں جہاں یہ امر مشترک ہے کہ غائب کا پیغام ان دونوں کے ذریعہ بالواسطہ پہنچتا ہے وہاں یہ فرق بھی ہے کہ خط میں یہ واسطہ تحریر، یعنی "زبانِ قلم" ہوتی ہے اور فون میں پلگ و رسیور کے ذریعہ "آواز" ہے جس طرح خط میں کاتب (مرسل) سامنے موجود نہیں ہوتا اس لئے تزدیر و جعل کا احتمال رہتا ہے۔ اسی طرح فون پر متکلم سامنے نہیں ہوتا بدیں وجہ یہاں بھی آواز بنا کر اور نقل اتار کر دھوکہ دہی کی گنجائش رہتی ہے۔

اسی بات کو فقہاء کی زبان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ مکتوب میں "الخط یشبہ الخط"

والا کی احتمال موجود ہے اور فون میں

"النغمۃ تشبہ النغمۃ"

کی گنجائش سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے یہ دونوں (خط۔ فون) پیغام کو مشکوک بنا کر پہونچاتے ہیں۔

خط شرعی وقانونی معاملات میں معتبر ہے

یہ چیز قابل غور ہے کہ خط کے معاملہ میں احتمالِ جعل وتزویر کے باوجود بہت سے شرعی اور اہم دنیاوی امور میں مکتوبات کو (اسی طرح ضرورت پڑنے پر "پس پردہ" آوازوں کو) مدار حکم قرار دیا گیا ہے۔ احادیث نبوی وسیرۃ رسولؐ اور سنت خلفاءؓ پر نظر رکھنے والے افراد اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے فرمانرداؤں کو خطوط لکھے، اور عمال حکومت کو تحریری ہدایات جاری کیں۔ اسی طرح خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے اپنے زمانہائے خلافت میں عمال حکومت کے نام تحریری آرڈر جاری کئے۔ اور مکتوبات کے ذریعہ ان کی رہنمائی۔ اور ان سب عمال نے ان تمام امور کو عملی جامہ پہنایا اور ہدایات پر عمل کرنا ضروری سمجھا۔ ایسا نہیں کیا کہ محض "الخط یشبہ الخط" کے احتمال کی بنیاد پر ان تحریروں کو نظر انداز کر دیا ہو۔ ان امور کے لئے حوالے اور شواہد پیش کرنا تطویل کا باعث ہونے کے علاوہ غیر ضروری بھی ہے۔ کیوں کہ سب اہل علم اس سے واقف ہیں[1]۔ عیاں راچہ بیان مثال کے لئے "اعلام الموقعین لابن القیم ص ۱ ج ۱ طبعۃ منیر الدمشقی" میں حضرت عمرؓ کے قاضی شریح کو خط لکھنے کا تفصیلی واقعہ ملاحظہ کیجئے)

---

[1] اگر اس موضوع کی تفصیل مطلوب ہو تو مورخ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندویؒ رحمۃ اللہ علیہ مجموعہ تقاریر "خطبات مدارس" کا خطبۂ سوم از ص ۴۳ تا ص ۴۹ ملاحظہ کیا جائے۔

اسوۂ نبویؐ اور سنت خلفاء کی روشنی میں فقہاءؒ نے بہت سے مواقع پر خطوط کو مدارِ حکم اور حجت قرار دیا ہے بشرطیکہ ان خطوط کے اصلی ہونے کا اطمینان ہوجائے۔ اس کی نظیریں کتب فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ ان میں سے چند یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ محقق ہمامؒ فرماتے ہیں :۔

الکتابۃ المرسومۃ	باقاعدہ لکھا ہوا خط۔ صرافوں اور ایجنٹوں
خط السمسار والصواف	کے رقعے حجت سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ لوگوں
حجۃ للعرف الجاری (فتح ص ۴۶۴)	میں اس کا عام رواج ہے۔ (باقی)

ضروری گذارش

ممبران ادارۂ ندوۃ المصنفین اور برہان کے خریداروں سے گذارش ہے کہ برہان آپ کی خدمت میں برابر پہنچ رہا ہے اور دفتر سے ختم مدت پر یاددہانی کے خطوط بھی برابر ارسال ہوتے ہیں۔ مگر بیشتر حضرات کی طرف سے ان خطوط کے جواب موصول نہیں ہوتے۔ مصارف ڈاک زیادہ ہوجانے کے باعث وی پی روانہ کرنے میں کارکنان ادارہ کو تامل رہتا ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ جیسے ہی جناب کی خدمت میں دفتر سے یاددہانی کے خطوط موصول ہوں فوراً فیس ممبری یا برہان کا چندہ منی آرڈر سے ارسال فرمادیں اس طرح کارکنان ادارہ وی پی کرنے کی زحمت اور آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے جو کم از کم مبلغ ۱۲/ ہوتا ہے۔

(منیجر)